نام کتاب	:	اشاعتِ خصوصی برائے القرآن الکریم، مجلہ الواقعہ، کراچی
مدیر	:	محمد تنزیل الصدیقی الحسینی
اشاعت:	:	نومبر، دسمبر ۲۰۱۳ء
صفحات	:	۴۴۸
قیمت شمارہ خاص	:	۴۰۰
تبصرہ نگار	:	سومیہ عزیز ۞

اردو زبان میں دینی صحافت کے حوالے سے برصغیر پاک وہند سے شائع ہونے والے مؤقر علمی و ادبی جرائد کے مخصوص شمارہ جات اپنی منفرد حیثیت میں ہمیشہ سے اہل علم ودانش کی دل چسپی کا نمایاں مرکز رہے ہیں۔ اس ضمن میں قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور سیرت النبی کے موضوعات، ان مجلات کی خصوصی اشاعتوں کے نمایاں مضامین سمجھے جاتے ہیں۔

برصغیر میں قرآنِ کریم سے متعلق اگر خصوصی اشاعتوں پر ایک نظر ڈالی جائے تو اس کے ذکر کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ بیسویں صدی میں اس حوالے سے ہمیں کئی مجلات کے قرآن نمبرز ملتے ہیں جنھوں نے اپنے موضوعات کے تنوع کے اعتبار سے قرآنیات کے باب میں نمایاں اضافہ کیا ہے۔ اس شناسائی کے لیے یہاں ایک کاوش کا ذکر مناسب ہوگا۔ ہماری مراد پروفیسر اقبال جاوید کی کتاب **بیسویں صدی کے قرآن نمبر** ہے۔ مرتب نے بڑی محنتِ شاقہ سے ۱۹۳۳ء سے لے کر ۲۰۰۰ء تک قرآن کریم سے متعلق اردو رسائل کی تقریباً ایک سو ایک قرآنی اشاعتوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر حوالے کا درجہ رکھتی ہے۔ اکیسویں صدی میں بھی ہمیں مختلف مجلات کے قرآن نمبرز ملتے ہیں جن میں ماہ نامہ **تعمیرِ افکار** (کراچی)، ماہ نامہ **نور علی نور** (کراچی)، شش ماہی **التفسیر** (کراچی)، ماہ نامہ **شمس الاسلام** (بھیرہ) وغیرہ کی خصوصی اشاعتوں کا نام لیا جاسکتا ہے۔

زیرِ تبصرہ شمارہ کراچی سے شائع ہونے والے مجلے **الواقعہ** کی قرآن کریم کے حوالے سے خصوصی اشاعت ہے۔ قرآنِ کریم سے متعلق مقالات کے تنوع کا اندازہ اس کے مندرجہ ذیل مرکزی عنوانات سے کیا جاسکتا ہے:

۞ لیکچرار، شعبۂ تفسیر، فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز (اصول الدین)، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد
(soumia.aziz@gmail.com)

- تعارف
- اصول و منہج
- مضامین
- جہات
- مناہجِ تفسیر
- تراجم
- قرآن اور جدید اسلوبِ فکر
- قرآن اور ادیانِ باطلہ

یہ اردو حصے کے عنوانات ہیں جن کے تحت اڑتالیس مضامین شامل کیے گئے ہیں، اس کے علاوہ مختصر حصہ انگریزی کا بھی ہے جس میں دو مقالات ہیں۔ ان مقالات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تمام مقالات تازہ لکھے ہوئے نہیں، بلکہ ان میں سے بعض دیگر مجلات میں اور بعض مختلف کتابوں میں موجود ہیں۔ خاص اسی شمارے کے لیے لکھوائے گئے مقالات کا تناسب شاید بہت کم ہے۔ مثلاً **تعمیرِ افکار** کی مذکورہ بالا خصوصی اشاعت میں اس اشاعت کے تقریباً پانچ مضامین پہلے آ چکے ہیں۔ بعض مضامین **معارف** (اعظم گڑھ) اور شش ماہی **علوم القرآن** میں شائع ہوئے ہیں اور بعض دیگر جگہوں پر؛ اچھا ہوتا کہ اس طرح کے مقالات کے اصل مصادر کا ذکر کر دیا جاتا تاکہ ان کی تاریخیت کا پہلو بھی قاری کے سامنے آ جاتا۔ خود جنابِ مدیر کے اداریے سمیت پانچ مقالات کی اس اشاعت میں شمولیت ایک قاری کو کھٹکتی ہے۔

اس اشاعت کے تمام مقالات پر گفت گو تو ممکن نہیں، البتہ منتخب مقالات کا تعارف اور بعض مقامات پر کچھ ملاحظات قارئین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

تعارف کے ضمن میں ایک اہم مضمون ڈاکٹر نثار احمد کا قرآن کے رسم الخط اور اس کے ارتقا سے متعلق ہے جس میں تاریخی شواہد کی روشنی میں رسم الخط کی بحث کو مدلل انداز سے سمیٹا گیا ہے۔ مقالہ نگار نے واضح کیا ہے کہ قرآنی رسم الخط، عربی سے ماخوذ ہے اور اس خط کو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ایجاد کیا تھا۔ (ص ۱۷) ڈاکٹر شعبان محمد اسماعیل کہتے ہیں کہ عربی خط کے موجدِ اول کے بارے میں کئی آرا پائی جاتی ہیں جنھیں علامہ ابن کثیر

نے البداية والنهاية میں نقل کیا ہے۔[۱] نیز اس کے اصطلاحی اور توقیفی ہونے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔
اس سلسلے میں رسمِ مصحف پر لکھی گئی کتابیں چار موقف بیان کرتی ہیں:

۱- یہ توقیفی ہے۔
۲- اس کی اصل خطِ مسند حمیری جنوبی ہے۔
۳- اس کی اصل خطِ حیری شمالی ہے۔
۴- اس کی اصل نبطی ہے۔

محمد ثاقب صدیقی کے مضمون میں آیاتِ قرآنیہ کی صحیح تعداد کے بارے میں سادہ اور عام فہم تحقیق پیش کی گئی ہے، جس کے مطابق قرآنی آیات کی معروف تعداد ۶۶۶۶ کو مروجہ غلطی قرار دے کر آیاتِ قرآنیہ کی تعداد ۶۲۳۶ متعین کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں مضمون نگار کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں بعض مصاحف کے آخر میں جو تعداد ۶۶۶۶ ذکر کی جاتی ہے تو "۶۶۶ کا ہندسہ دجال کا کوئی خاص عدد بھی ہے اور اس عدد کا ہماری روایات یا تاریخ کا حصہ بن جانا کسی سازش سے کم نہیں۔" (ص ۲۱) مقالہ نگار نے ۶۲۳۶ کی تعداد کا شمار ہمارے یہاں رائج مصاحف میں سورتوں میں درج آیات کے تناظر میں پیش کرنے کی ہے۔ یہاں اس تعداد کو کسی سازش کے ساتھ جوڑنا صحیح نہیں ہے۔ مولانا شمس الحق افغانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شمار کے مطابق آیاتِ قرآنی کی تعداد ۶۶۶۶ ہے۔[۲] قاضی عبد الصمد صارمؒ نے بھی اپنی کتاب **عرض الانوار** میں یہی تعداد شمار کی ہے[۳] تاہم کافی تلاش کے باوجود یہ تعداد علوم القرآن کی کتابوں میں نہ مل سکی۔ عجیب بات ہے کہ قاضی صاحب نے بڑی محنت سے کتاب میں ایک جدول شامل کیا ہے، جس میں قرآنی آیات کی تعداد کے بارے میں پانچ اختلافی طرق: مکی، مدنی، شامی، بصری اور کوفی کے مطابق قرآنی آیات کو شمار کیا ہے،[۴] لیکن کسی بھی طریقے کے مطابق آیات کو جمع کرنے سے مذکورہ بالا عدد حاصل نہیں ہوتا۔ بہ ہر حال آیاتِ قرآنی کی تعداد میں اس اختلاف کا تعلق قراءت سے ہے اور کوئی زیادہ جوہری نوعیت کی چیز نہیں ہے۔ اس حوالے سے ہمیں علوم القرآن کی قدیم کتابوں میں سے علامہ زرکشی، سیوطی اور دیگر حضرات کے ہاں تفاصیل ملتی ہیں۔ ڈاکٹر فہد رومی لکھتے ہیں:

۱- شعبان محمد اسماعیل، **قرآن مجید کا رسم و ضبط**، ترجمہ: قاری محمد راسخ (قصور: ۲۰۱۳ء)، ۱۳۔
۲- شمس الحق افغانی، **علوم القرآن** (لاہور: المکتبۃ الاشرفیہ، س۔ن)، ۱۴۳۔
۳- عبد الصمد صارم، **عرض القرآن المعروف بہ تاریخ القرآن** (کراچی: میر محمد کتب خانہ، س۔ن)، ۱۳۵۔
۴- نفسِ مرجع، ۱۳۹- ۱۴۳۔

سببه أن النبي - ﷺ- كان يقف على رءوس الآي للتوقيف ليعلم أصحابه أنها رأس آية، حتى إذا علموا ذلك صار يصل الآية بما بعدها لتمام المعنى فيحسب من لم يسمعه أولا أنها فاصلة فيعد الآيتين آية واحدة، ولذا يختلف العدد. وليس لهذا أثر يذكر ما دام القرآن الكريم سالمًا من الزيادة أو النقصان فالقطعة من القماش إذا قاسها إنسان بذراعه الطويلة ثم قاسها إنسان آخر بذراعه القصيرة فسيكون هناك اختلاف في العدد سببه اختلاف المقياس مع سلامة القطعة من الزيادة أو النقصان في الحالين.(۵)

(آیات کی تعداد میں اختلاف کا) سبب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ آیات کے اختتام پر وقف کے لیے رکتے تھے جس کا مقصد صحابہ کرام کو اس بات کی تعلیم ہوتی تھی کہ یہاں آیت ختم ہو رہی ہے۔ جب وہ یہ بات جان لیتے تھے تو اس آیت کو بعد والی کے ساتھ ملاتے تھے۔ چناں چہ جس نے پہلے اسے نہ سنا ہوتا تھا، اس کا خیال ہوتا تھا کہ یہ آیت فاصل ہے جس کے نتیجے میں وہ دو آیات کو ایک شمار کر لیتا تھا جس کے نتیجے میں عدد میں اختلاف ہوا۔ اس سے کوئی قابلِ ذکر فرق نہیں پڑتا جب کہ قرآنِ کریم کسی کمی بیشی سے محفوظ ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کپڑے کا ایک ٹکڑا ایک آدمی اپنے لمبے پیمانے سے ماپے اور دوسرا آدمی چھوٹے پیمانے سے تو یہاں پیمانوں کی تعداد میں اختلاف ہوگا، جس کی وجہ پیمانے کی لمبائی ہے وگرنہ دونوں صورتوں میں کپڑے میں تو کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔

۶۲۰۰ تک کا عدد علما میں متفق علیہ ہے، اس کے بعد اختلاف ہے۔ ۶۲۳۶ کی تعداد، جو مقالہ نگار نے درست قرار دی ہے، اصل میں اہلِ کوفہ کے شمار کے مطابق ہے جس کی سند کسائی کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک جاتی ہے۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے اس تعداد کو صحیح ترین بتلایا ہے کیوں کہ اس کی سند حضرت علی رضی اللہ عنہ تک متصل ہے۔(۶) تاہم اہلِ کوفہ کی اس سند کے طرق بھی دو ہو جاتے ہیں۔ بہتر ہوتا اگر اس مقالے میں اس اختلاف کی نوعیت اور کیفیت پر گفت گو ہو جاتی۔

اصول و منہج کے ذیل میں مولانا ابو الکلام آزاد کا مضمون بہ عنوان "حجتِ ابراہیمی" مجلے کا ایک عمدہ اضافہ ہے۔ مولانا نے دل چسپ پیرائے میں قرآن مجید کے اسلوبِ بیان اور طریقِ استدلال کا موضوعاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ یہ مقالہ **مکالماتِ آزاد** کتاب میں موجود ہے۔ اس میں انھوں نے قرآنِ کریم کے فطری اندازِ استدلال کی

۵- فہد بن عبد الرحمان الرومی، دراسات في علوم القرآن الكريم (ط۱۲، ۲۰۰۳ء)، ۱۱۷۔

۶- دیکھیے: مجد الدین الفیروز آبادی، بصائر ذوي التمييز في لطائف الكتاب العزيز، ت: محمد علی النجار (قاہرہ: المجلس الأعلى للشئون الإسلامية)، ۱: ۵۵۹۔

بنیادیں واضح کی ہیں اور اس کے ساتھ اس متکلمانہ اندازِ استدلال پر سختی سے نقد کیا ہے جو سلف کے طریقِ تفسیر کے بعد تفسیر کے باب میں علوم وفنون اور فلسفہ اور منطق کے اسلوب کا غلبہ ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ یہ مقالہ اصل میں ایک استفسار کا جواب ہے جس میں ایک صاحب نے مکالمۂ ابراہیم اور نمرود کے بارے میں بعض سوالات کیے ہیں جو قرآن کے اسلوبِ استدلال کو اہلِ کلام کے اسلوب سے غیر مانوس پا کر سمجھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ مولانا آزاد نے تفصیل سے متکلمین کے طریق استدلال پر تنقید کی ہے۔ اس مقام پر امام رازیؒ نے چوں کہ خالص منطقی مقدمات قائم کر کے اس مکالمے کو ایک مناظرے کی شکل میں پیش کیا ہے، اس لیے مولانا آزاد اس پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> تفسیر کبیر کا یہ پورا مقام پڑھ جائیے، معلوم ہوتا ہے حضرت خلیل اور نمرود کا مکالمہ منطقیوں کی ایک اچھی خاصی مجلسِ مناظرہ ہے۔ ایک طرف نمرود بیٹھا ہے اور ایک پختہ کار فلسفی کی طرح شفا اور اشارات کے تمام مباحث رٹ چکا ہے۔ دوسری طرف ابراہیم ہیں اور امام رازی اور قاضی عضد کے علم کلام کا ایک ایک لفظ نوکِ زباں رکھتے ہیں۔ نمرود ایک سوال کرتا ہے، یہ اس کا جواب دیتے ہیں۔ وہ ان کے جواب کا توڑ کرتا ہے اور نئے مقدموں میں الجھانا چاہتا ہے، یہ ایک شاطر مناظر کی طرح فوراً پینترا بدلتے ہیں اور انہیں مقدمات کے داؤ سے اسے گرا دینا چاہتے ہیں۔ وہ ''سبب'' اور ''واسطہ'' کی طرف رخ کرتا ہے، یہ ''حرکتِ افلاک'' کا پیچ کس دیتے ہیں۔ سبحان اللہ! حضرت ابراہیم کی دعوتِ نبوت نہ ہوئی، میر زاہد اور سیالکوٹی کا مباحثہ ہو گیا۔ (ص ۲۴)

سید سلیمان ندوی کی ارضِ حرم سے متعلق تحقیقی کاوش بھی اس حصے کا ایک اہم مضمون ہے۔ یہ مقالہ سورۂ توبہ کی آیات ۲۸، ۲۹ کے تدبر کے حوالے سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ معاصر تناظر میں قرآن کے اس مقام کی بہت اہمیت ہے۔ چناں چہ ہمارے ہاں اس بارے میں دو گروہوں کے موقف ان احکام کی تحدید اور عمومیت کے حوالے سے خاصے اختلاف کے حامل ہیں جس کے نتیجے میں دو مختلف تعبیریں وجود پذیر ہوئی ہیں۔ سید سلیمان ندویؒ نے ان آیات میں 'مشرکین' کے لفظ کو قرآن کی خاص اصطلاح پر باقی نہیں رکھا، بلکہ ان کے نزدیک اس حکم کی ''تعمیم میں ہر قسم کے مشرک اور شریک داخل ہیں، لیکن صورتِ واقعہ کے لحاظ سے مسجدِ حرام کے قریب بسنے والے یہود و نصاریٰ خصوصیت کے ساتھ داخل ہیں۔'' (ص ۶۴) یہ اور اس کے علاوہ ان آیات سے متعلقہ مباحث بہت فکر انگیز ہیں۔ ان احکام کی تحدید و عمومیت کے مسئلے کے ساتھ دلالۃ النص کے طور پر مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کے مسئلے کا تعلق بھی جڑتا ہے جس کی حساسیت محتاجِ بیان نہیں۔

مختلف قرآنی جہات کے ذکر میں ایک لائق تحسین مضمون قرآن کے اسالیبِ دعوت و استدلال کے عنوان سے جناب حنیف ندوی کے قلم سے ہے جس میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی جامع قرآن فکر کے تناظر میں موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مصنف کے پختہ علمی استدلالات بجاطور پر قابلِ ستائش ہیں۔

اس طرح ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ کا مفصل مضمون "معیشت کی بنیادیں: قرآن مجید کی روشنی میں" جامعیت اور بھرپور استدلال میں اپنی مثال آپ ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے مربوط انداز میں قرآنی مفاہیم اور مروجہ معاشرتی رویوں میں عدمِ مطابقت کے اہم اسباب کی طرف اشارہ کر کے ان مشکلات کے سدِباب کے حوالے سے اہم راہ نمائی فرمائی ہے جو قرآنی فکر و عمل کی راہ میں باعثِ رکاوٹ ہیں۔ یہ مقالہ بھی اس سے پہلے **تعمیر افکار** کی خاص اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔

مناہج تفسیر کے عنوان سے مجلے میں دس متفرق مفسرین کرام کے طرق ہائے تفسیر پر بالاستیعاب روشنی ڈالی گئی ہے۔ تفاسیر کے انتخاب میں بہ لحاظِ زمانہ، اسلوب اور لغات ایک واضح تنوع کو مدِنظر رکھا گیا ہے جس کے باعث قاری کے سامنے اہم تفسیری تراث کا جامع خلاصہ واضح ہو گیا ہے۔ اسی طرح علمِ تفسیر کی ضرورت و اہمیت سے متعلق ڈاکٹر فضل الرحمان کا تحقیقی مضمون بھی اس باب کا حصہ ہے۔

تراجم کی بابت ترجمۂ قرآن کے نظری اور تطبیقی دونوں پہلوؤں سے متعلق مضامین مجلے میں شامل کیے گئے ہیں۔ اس ذیل میں مقدمہ فتح الرحمان بترجمۃ القرآن کے مقدمے کا تجزیاتی مطالعہ ایک عمدہ علمی کاوش ہے جس کی روشنی میں بیشتر دیگر معروف تفاسیر کے مقدمات پر تحقیقی و علمی مطالعات سلسلہ وار انداز میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔ اصلاحی صاحب کا یہ مضمون اس سے پہلے شش ماہی **علوم القرآن** (جنوری-جون ۱۹۹۲ء) علی گڑھ میں شائع ہو چکا ہے۔ اپنے فارسی ترجمۂ قرآن کے مقدمے میں امام شاہ ولی اللہؒ نے اصولِ ترجمہ سے متعلق ضروری باتیں ذکر فرمائی ہیں۔ مقالہ نگار کہتے ہیں کہ اس مقالے میں امام شاہ ولی اللہؒ کے ترجمۂ قرآن پر ان کے دیباچے کے جائزے کے ساتھ **الفوز الکبیر** اور **الفتح الخبیر** کا بھی اجمالی تعارف پیش کیا جائے گا اور ان کے ترجمے کا تکملہ بھی زیرِ بحث آئے گا۔ (ص ۲۶۳) لیکن یہ بات حیرت انگیز ہے کہ شش ماہی **علوم القرآن** کے اصل مضمون میں بھی مؤخر الذکر دو کتابوں پر تبصرے اور تجزیے کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔ اصل مضمون کے مدیر کے لیے مناسب تھا کہ اس مقام کی ادارت کر لی جاتی۔ زیرِ نظر اشاعت میں بھی اس پر توجہ نہیں دی جا سکی۔

مجلے کے مدیر جناب محمد تنزیل الصدیقی الحسینی نے تفسیر قرآن کا اسلوب جدید کے عنوان سے عقلِ محض اور قدیم و جدید اعتزالی فکر کی روشنی میں قائم کردہ تفسیری اسلوب کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور ان تمام کاوشوں کے علمی محاسبے کی طرف نشان دہی کی ہے۔

جناب ابو موحد عبدالرحمان صاحب نے تلاوتِ قرآن اور تشکیلِ معنویت کے عنوان سے اپنے اہم مضمون میں تلاوتِ قرآن اور فہم قرآن کے باہمی ربط کی ضرورت اور ممکنہ اسالیب پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس مقالے میں انھوں نے اس بات کو نمایاں کیا ہے کہ قرآن کے محض الفاظ کی تلاوت و قراءت بھی ایک مستقل اہمیت اور فضیلت کی چیز ہے اور فہم و تدبر ایک مستقل اہمیت کی چیز۔ اس کتاب کے الفاظ کی تلاوت بھی روح کی ایک ضرورت ہے۔ اصل میں اس مقالے میں عہدِ جدید کی اس فکر کی تردید مقصود ہے کہ بس قرآن کا فہم اور تدبر اصل ہے اور تلاوتِ الفاظ کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔

اردو زبان کے موقر ذخیرۂ تراجم قرآن میں برصغیر کے مسلمان علما کے ساتھ ساتھ غیر مسلم مترجمین کی کاوشوں کے باب میں جناب ساجد اسد اللہ نے پہلے مسیحی اردو ترجمۂ قرآن کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے۔

قرآن کے حقوق کے باب میں محترم ابوالحسن نے وما یذکر إلا اولو الالباب میں متداول تفاسیر قرآنیہ کی چند اہم علمی اغلاط کی نشان دہی کی ہے جس میں تنقیدی پہلو اسلوبِ اصلاح پر حاوی ہے۔

انگریزی حصے میں پہلا مضمون قرآن مجید کی حقانیت اور ادیانِ عالم کی الہامی کتب میں اس کا منفرد مقام اور مرتبے کو اجاگر کیا گیا ہے، نیز قرآن کے وحیِ الٰہی ہونے سے متعلق ملاحدہ کے بعض شبہات اور ان کا رد ذکر کیا گیا ہے، جب کہ دوسرے مضمون میں قرآن مجید میں مذکور حزب الشیطان کے تناظر میں موجودہ زمانہ اور آنے والے دجالی فتنہ کی مدد و معاون مختلف خفیہ اجتماعی سرگرمیوں اور تحریکات کے نظریاتی اور عملی پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے۔ بہ حیثیت مجموعی یہ مضمون اپنے موضوع کے اعتبار سے قرآنی شواہد اور استدلال سے کافی دور معلوم ہوتا ہے۔

مجلے کی اہم امتیازی خصوصیت قدیم و جدید محققین کے قرآنی فکر کا دل چسپ اور منفرد امتزاج ہے۔ علوم و مباحثِ قرآنیہ سے متعلق مسلمان علما و مفکرین کی بالعموم اور برصغیر پاک و ہند کے اربابِ علم کی بالخصوص تحقیقی کاوشوں میں سے اگر بعض کی طرف اشارہ کر دیا جاتا تو اس اشاعتِ خاص کی افادیت میں گراں قدر اضافہ ممکن تھا۔ اس حوالے سے نظمِ قرآن کا موضوع بلاشبہ قابلِ ذکر ہے۔

مجلے میں ایک اہم کمی مضامین نگاروں کا تعارف نہ ہونا ہے۔ معروف اہلِ قلم کے علاوہ دیگر اصحاب کا مختصر تعارف، یقیناً قارئین کے لیے دل چسپی اور توجہ کا باعث ہوتا۔

فنی پہلو سے اس اشاعت میں یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ اس کی تقطیع عام اور مروج کتابی سائز کے مقابلے میں کافی بڑی ہے جس سے یہ دینی مدارس کی قدیم کتابوں کی طرز کی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ ایسا کرنے میں شاید مضامین کی کثرت کے باعث ایک ہی جلد میں زیادہ سے زیادہ مواد شامل کرنے کا جذبہ کارفرما ہے۔ اس مقصد کے لیے ایک صفحے پر تین کالم میں عبارت کو سمویا گیا ہے۔ اگر یہ اشاعت عام کتابی سائز میں ہوتی تو زیادہ دیدہ زیب ہوتی۔

صفحات کے نمبر نستعلیق کے بجائے انگریزی رسم الخط میں ذوق پر ناگوار گزرتے ہیں۔ حروف خوانی کا اہتمام خوب ہے جس کے نتیجے میں اغلاط عام طور پر نظر نہیں آتیں۔ مقالات کے حواشی پاورقی ہیں جس سے استفادے میں سہولت ہے تاہم ان کے اندراج میں اسلوب کی یکسانیت میں کمی نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر "نواب صدیق حسن کی تفسیری خدمات" مقالے کے حواشی The Chicago Manual of Style کے مطابق ہیں، لیکن اشاعت کے سارے مقالات میں اس کی پابندی نظر نہیں آتی۔ بعض جگہوں پر اشعار اور مصرعے صحیح درج نہیں ہو سکے۔ مثال کے طور پر ص ۴۰۲ پر میر تقی میر کا ایک شعر یوں درج ہے:

سارے عالم پہ ہوں چھایا ہوا
مستند ہے میر میرا فرمایا ہوا

درست شعر یوں ہے:

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

ص ۴۲۰ پر مصرع ہے: الٰہی! یہ تیرے ناتواں بندے کدھر جائیں

اصل مصرع اقبال کے شعر میں یوں ہے: خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں

ادارت آئندہ فنی تدوین کے دقیق امور کی بھی پورے طور پر رعایت رکھے تو امید ہے کہ معنوی کے ساتھ صوری محاسن کے اعتبار سے بھی مجلہ خوب سے خوب تر کی راہ پر گام زن ہوگا۔

❁❁❁❁❁❁